Mohi-ud-Din Journal of Islamic Studies (MJIS)
ISSN: 3007-3812 (Print) | 3007-3820 (Online)
(July-Dec) 2023, 1:2(01-22)

محی الدین جرنل آف اسلامک اسٹڈیز
(جولائی–دسمبر ۲۰۲۳)،۱:۲

نقوشِ سیرت قبل از بعثتِ نبوی: مرویاتِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Nuqūsh-i Sīrat Prior to Bi'thah: An Analytical Study in the Light of Narrations (Marviyyāt) by Abdullah bin 'Umar (Raḍī Allah 'An'umā)

Sajjad Ahmad [a]

[a] M-Phil Islamic Studies / Master in Leadership (Currently), Faculty of Social Sciences, University of South Wales, UK

Corresponding author email: sajjad.a2998@gmail.com

How to cite: Sajjad Ahmad, " *Nuqūsh-i Sīrat* Prior to *Bi' thah*: An Analytical Study in the Light of Narrations (*Marviyyāt*) by Abdullah bin ' Umar (Raḍī Allah ' An' u)," *Mohi ud Din Journal of Islamic Studies* 1, no. 2 (2023): 01-22.

ABSTRACT

This article delves into the pre-prophethood life of the esteemed Prophet Muhammad (*ṣallā llāhu ʿalayhi wa-sallam*), through the narrations of Abdullah bin Umar(Raḍī Allah 'An'umā). Drawing upon authentic Prophetic Sayings (*Aḥādīth*), it has been explored various aspects of human life and Prophetic guidance, shedding light on character, interactions, and experiences before the announcement of his prophethood. It includes the narrations , which are related to the Meccan part of the holy life of the Messenger of God, especially the life before *bi'thah*. Through Abdullah bin Umar's narrations, readers may gain profound insights into the upbringing, virtues, and societal context that shapes a transformative journey for human life. From his noble lineage to his exemplary conduct, this study offers a portrayal of pre-prophetic announcement, enriching our understanding of Islamic foundational period and the remarkable individual. Various aspects of human life and mutual dealing is a significant part of narrations by Abdullah bin Umar (Raḍī Allah 'An'umā). This paper addressed question of beliefs, the family relations, the rights of the deprived classes and some other social evils rectifying human being towards excellence performance and good deeds.

Keywords: *Nuqūsh-i Sīrat* (al-'Iṣmah), Narrations (*Marviyyāt*), Abdullah bin 'Umar (Raḍī Allah 'An'umā), Relationship, Rectifications

Maximum number of authors of a paper shouldn't be more than two and contribution of second author (if any) should be mentioned below:-

C

All Contents of this publication is copyrighted and property of *Mohi-ud-Din Journal of Islamic Studies*, and restricted to commercial use. It allows Research uses only, provided that original author(s) and sources should be credited with a proper academic referencing.

تمہید

اس مقالہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث مبارکہ سے معلوم ہونے والے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے وہ نقوش بیان کئے جائیں گے جن کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ کے مکی حصہ اور بالخصوص قبل از بعثت زندگی کے ساتھ ہے، اس میں بالترتیب عقائد، رسول اللہ ﷺ کے خاندانی و علاقائی پس منظر، محروم طبقات کے حقوق، کچھ معاشرتی برائیوں اور پھر کچھ اصلاحات کے متعلق روایات کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

بت پرستی سے ممانعت

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے سب سے نمایاں نقوش میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے بت پرستی اور شرک کا خاتمہ کیا۔ وہ معاشرہ جو لاتعداد معبودانِ باطلہ کے سامنے سر بسجود تھا اسے اس لعنت سے چھٹکارا دلوایا۔ وہ لوگ جو اپنی جبینِ نیاز ہر دوسرے خدا کے سامنے جھکا کر شرفِ انسانی کو مجروح کر رہے تھے انہیں توحید کا عزت والا درس دیا۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے باقاعدہ اپنے عمل مبارک سے بت پرستی سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اپنے فرامین کے ذریعے بھی اس کی تلقین کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت جس میں آپ نبی ﷺ کے متعلق نقل فرماتے ہیں:

((أنَّه مرَّ بصنمٍ مِن نحاسٍ، فضربَ ظهرَه بظهرِ كفِّه، ثم قالَ خَابَ وَخَسَرَ مَن عَبَدكَ مِن دُونِ الله۔[1]))

(ایک دن رسول اللہ ﷺ نحاس کے ایک بت کے پاس سے گزرے، تو اس بت کی پشت پر اپنی ہتھیلی کی پشت ماری پھر فرمایا کہ: تباہ و برباد اور ہلاک ہو گیا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تمہاری عبادت کی)۔

اس روایت سے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی بت پرستی سے بیزاری کا علم ہونے کے ساتھ اس قبیح فعل کی شدّت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے آپ ﷺ نے باقاعدہ اس بت کو مس کر کے نفرت کا اظہار کیا اور نہ صرف اس بت سے نفرت کا اظہار کیا بلکہ ہر اس بندے کے بارے ہلاکت کی خبر دی جو اس بت کی عبادت میں مشغول ہوا۔

لہذا معلوم ہوا کہ بت پرستی سے ممانعت اور روک تھام رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ کا اہم نقش ہے۔

---

1 ۔ ابو قاسم سلیمان بن احمد طبرانی، **مسند الشامیین**، ط/1 (بیروت لبنان: موسسۃ الرسالۃ، 1405ھ)، 55:2۔

تقدیر کے متعلق عقیدہ کی درستگی

قبل از بعثت دور نبوی میں جو خرابیاں معاشرے میں رائج تھیں ان میں سے ایک اہم ترین خرابی تقدیر کے متعلق شکوک وشبہات تھے لوگ تقدیر کے حوالہ سے انتہائی دریدہ دہنی سے مختلف باتیں بلاخوف وخطر کہہ جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سنگین مسئلے کا سدِباب کیا اور لوگوں کو تقدیر کے مسئلے کی حساسیت کے بارے میں بتایا۔ اب ایک طرف جہاں لوگ اپنے شرک میں مبتلا ہونے اور گناہ کرنے کا ذمہ دار تقدیر کو قرار دے رہے تھے وہیں پر نبی اکرم ﷺ نے تقدیر کی اہمیت کو جس طرح اجاگر کیا اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول پاک ﷺ کو فرماتے سنا کہ:

((يَكُونُ فِي هٰذِهِ الأُمةِ أَوفِي أُمتِي،الشَكُ مِنهُ خَسَفَ أَو مَسخ أَو قَذَفَ فِي أَهلِ القَدرِ))[2]۔

(یعنی میری امت یا اس امت میں زمین میں دھنس جانے، شکلوں کے بگڑ جانے اور آسمان سے سنگ باری جیسے عذاب اگر آئے تو وہ اہل قدر کی وجہ سے آئیں گے۔)

یعنی اس شدّت سے عذاب الہی کا سبب اگر کوئی بنا تو وہ لوگ بنیں گے جو تقدیر کے حوالے سے اپنے نظریات درست نہیں رکھتے۔

اس روایت سے جہاں تقدیر کے مسئلہ کی حساسیت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں رسول اللہ ﷺ کے علم سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے بعد میں آنے والے فتنے کو پہلے ہی بیان کر دیا۔

فکر آخرت

مکہ مکرمہ میں رہنے والے مشرکین بعثت نبوی سے قبل اسی دنیا کو دائمی اور ابدی قرار دیا کرتے تھے۔ سزا وجزا کے تصور سے خود کو آزاد کرنے کے لیے وہ موت کو بھی بھول بیٹھے تھے اور اسی دنیا کی زندگی کو ہمیشہ کی زندگی سمجھ کر وہ اپنی من مرضی کی زندگی گزار رہے تھے۔ نفسانی خواہشات کے مطابق عمل کرتے، حتیٰ کہ اعتقادات میں بھی فقط نفس کی خواہشات کو ہی ملحوظ رکھتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ انہیں موت کی طرف راغب کرتے انہیں موت کی یاد دہانی کا درس دیتے۔ اور بتاتے کہ موت کسی بھی وقت آسکتی ہے لہذا غفلت میں زندگی نہ گزارو بلکہ موت کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے خود کو ہر وقت تیار رکھو۔ موت کی تیاری اور خود کو موت اور اللہ کے سامنے پیش ہونے کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

((ما يَنبَغِي أَن يَبيتَ أَحَدٌ ثَلَاثَ لَيَالٍ إِلا وَوَصيتُهُ مَكتُوبَةٌ۔))[3]

---

[2]۔ ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی، **سنن ترمذی** ، کتاب القدر،باب 16(بیروت لبنان: دارالاحیاء التراث، س ن)، 4: 456 ۔

"کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنی زندگی کی تین راتیں اس حالت میں گزارے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہوئی موجود نہ ہو"۔

اب یہ حدیث در حقیقت فکر آخرت اور موت کو یاد رکھنے کا درس دیتی ہے۔ کیونکہ وصیت لکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فرد دنیا سے جانے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہے۔ اور اس حدیث مبارکہ میں عمر وغیرہ کی بھی کوئی قید نہیں رکھی گئی کہ کس عمر میں لکھے بلکہ مطلقاً پوری عمر کے لیے کہا گیا کہ ہمیشہ وصیت لکھ کے رکھے تاکہ اسے معلوم ہو کہ کبھی بھی میری زندگی ختم ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو بہت سی معاشرتی اور اخلاقی برائیوں کا از خود ہی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

تفکر و تدبر اور عقل کا استعمال

عرب معاشرے میں پائے جانی والی مختلف بیماریوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ لوگ بالعموم تمام معاملات میں اور بالخصوص عقائد و نظریات کے باب میں عقل کا استعمال ہر گز نہیں کیا کرتے تھے بلکہ جو فرسودہ روایات چلی آ رہی تھیں اور جو رسومات آباء و اجداد سے رائج تھیں بغیر ان پر نظر ثانی کئے وہ لوگ انہی کو اختیار کرنے پر قانع اور مصر تھے۔ اور مزید یہ کہ کسی بھی چیز کو اپنے معتقدات کا حصہ بناتے ہوئے عقل و شعور کی کسوٹی پر پرکھتے نہیں تھے، گویا تفکر و تدبر کا ان کے ہاں تصور ہی مفقود تھا۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے سیرت و کردار کے ذریعے یہی پیغام دیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی مخلوقات پر برتری عقل و فہم کی وجہ سے دی کیونکہ انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے لہذا عقل و شعور اللہ عزوجل کا ایک عظیم انعام ہے جس کی قدر بھی کرنی چاہیے اور اس کا استعمال بھی کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس سلسلہ میں روایت کرتے ہیں کہ:

((وَمَا يُجزٰى أَجرَه يَومَ القِيَامَةِ إِلَّا عَلٰى قَدرِ عَقلِه۔))[4]

(قیامت کے دن اجر انسان کی عقل کے تناسب سے دیا جائے گا۔)

اس حدیث مبارکہ میں عقل کے استعمال کی ترغیب دی گئی ہے کہ قیامت والے دن عمل و اخلاص کے ساتھ ساتھ عقل کو بھی پرکھا جائے گا کہ کس قدر انسان نے عقل کا استعمال کیا۔ اور ممکن ہے کہ دو لوگ ایک جیسا عمل کریں لیکن عقل کے استعمال اور سمجھ بوجھ کی وجہ سے دونوں کے اجر و ثواب میں تفاوت ہو۔ اس لیے رسول

---

[3]۔ محمد بن عبدالرحمن بن عباس بغدادی ، **المخلصیات لابی طاهر**، ط/1 (وزارت اوقاف قطر 2008ء)، 1:298۔

[4]۔ سعد الدین جرار، **الایماء الی زوائد الامالی والاجزاء** ،ط /1 (اضواء السلف، 2007ء)، 4:258۔

محترم ﷺ نے تعلیم دی کہ عقل کے استعمال کو یقینی بناؤ اور تفکر و تدبر سے کام لو تاکہ تمہیں اپنا نفع نقصان سمجھنے میں آسانی ہو۔

مکہ کی تعظیم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مکہ معظمہ کی تعظیم کا متعدد مقامات پر قرآن پاک میں بیان فرمایا اسی طرح خاتم النبیین ﷺ نے بھی اس عظیم شہر کی عظمت کا ذکر فرمایا اور باور کروایا کہ مختلف نسبتوں کی وجہ سے اس شہر کو جو عظمت اور مقام اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمایا اس کی وجہ سے شہر مکہ منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((مَن أَكَلَ كَرَاءَ بيُوتَ مَكة، فَإِنمَّا أَكَلَ نَارًا فِي بَطنَهَ۔))[5]

(جس نے شہر مکہ کے گھروں کے کرایہ سے حاصل کیا ہوا مال کھایا اس نے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھری۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دنیا بھر کے جتنے بھی شہر ہیں ان کا مقام و مرتبہ اور ہے کسی بھی شہر میں کہیں بھی کوئی مکان کرایہ پر حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن شہر مکہ کی شان و شوکت اور مقام و مرتبہ کی نوعیت الگ ہے یہاں مہمان نوازی کی جاتی ہے اور اس شہر کے لیے احکامات بھی دنیا بھر کے شہروں سے الگ و ممتاز ہیں۔ اس روایت سے ہمیں مکہ مکرمہ کی عظمت و شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

حرم کی حرمت

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے نمایاں نقوش میں سے یہ بھی اہم ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ اور بالخصوص حرم پاک کی فضیلت اور عظمت کا خود بھی خیال رکھا اور لوگوں کو بھی یہ تعلیمات دیں کہ یہ ارض مقدس باقی زمینوں کی طرح محض ایک کرہ ارض نہیں بلکہ یہ منفرد اور نمایاں حیثیت کی حامل سرزمین ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اور جب ایک قبر کے پاس سے گزرے تو نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((هَذَا قَبْرُ أَبِي رِغَالٍ وَهُوَ امْرُؤٌ مِنْ ثَمُودَ وَكَانَ مَسْكَنُهُ الْحَرَمَ فَلَمَّا أَهْلَكَ اللَّهُ قَوْمَهُ بِمَا أَهْلَكَهُمْ بِهِ مَنَعَهُ لِمَكَانِهِ مِنَ الْحَرَمِ فَخَرَجَ حَتَّى إِذَا بَلَغَ هَاهُنَا مَاتَ۔))[6]

---

[5] ۔ احمد بن علی ابو بکر جصاص، **احکام القرآن** ط/1 (بیروت لبنان، دار احیاء التراث العربی ،1405ھ)،5:6۔

[6] ۔ ابو عمر یوسف بن عبداللہ قرطبی النمری ،**التمهيد لما فی المؤطا من المعانی والاسانيد،** ط/1(موسسة القرطبه,2006ء)،148:13۔

"یہ قوم ثمود کے ایک شخص "ابو رغال" کی قبر ہے اور وہ بندہ حدود حرم میں رہتا تھا، جب اس شخص کی قوم پر عذاب آیا تو وہ محض حرم میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا اور جیسے ہی حدود حرم سے باہر اس مقام پر آیا اس پر عذاب مسلط ہوا اور وہ مر گیا"۔

اس طرح کی احادیث اور تعلیمات کے ذریعے حرم پاک کی برکت اور فضیلت بتانا مقصود تھا کہ پوری قوم میں سے ایک فرد کا بچ جانا کوئی اس کے اعمال کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ شخص مکینِ حرم تھا اور سرزمینِ مکہ کو عذاب سے دوچار کرنا قدرتِ باری تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں، بلکہ یہ تو دینی و دنیاوی مصائب اور مشکلات سے امن کی جگہ ہے اسے امن کی سرزمین قرار دیا گیا ہے۔ اور مزید یہ کہ یہاں نہ صرف صالحین اور مومنین کو امن ملتا ہے بلکہ اگر کوئی سرکش اور نافرمان بھی یہاں موجود ہو تو محض اس بابرکت جگہ کے ساتھ نسبت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے بھی عذاب سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے مکہ مکرمہ کی عظمت کو آشکار کیا۔

قریش کی فضیلت

نبی ختم المرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کے نقوشِ سیرت کے پہلوؤں سے قابلِ توجہ پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ کا خاندان اعلیٰ نسب ہے۔ نبوت کا مرتبہ چونکہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نبوت کے لیے جب بھی کسی کا انتخاب فرماتا ہے تو اس کے لیے انتہائی اعلیٰ حسب و نسب کے حامل انبیاء و رسل کو منتخب فرماتا ہے تاکہ معاشرے میں کسی بھی سطح پر وہ کسی سے کم نہ ہوں۔ تمام انبیاء ہی اعلیٰ حسب و نسب کے مالک ہیں لیکن امام الانبیاء ﷺ کی شان اس حوالہ سے تمام انبیاء علیہم السلام سے ممتاز اور اعلیٰ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے خاندان اور قبیلے کو دیکھا جائے تو عرب کے مشہور ترین قبائل میں سے سب سے اعلیٰ درجے پر آپ ﷺ کا قبیلہ اور خاندان نظر آتا ہے اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے از خود بھی بہت وضاحت فرما رکھی ہے۔ قبیلہ قریش اور خاندان بنی ہاشم کے شرف اور عزت کا بیان ہمیں متعدد احادیث سے ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَمٰوَاتِ سَبعاً،ثُم خَلَقَ الخَلقَ فَاختَارَ مِنَ الخَلقِ بَنِي آدَمَ،ثُمَّ اختَارَ مِن بَنِي آدَمَ العَربَ،ثُمَّ اختَارَ مِنَ العَربِ مُضَرَ،ثُمَّ اختَارَ مِن مُضَرَ قُرَيشًا،ثُمَّ اختَارَ مِن قُرَيشٍ بَنِي هَاشِمٍ،ثُمَّ اختَارَنِي مِن بَنِي هَاشِمٍ،فَأَنَا خِيَارٌ مِن خِيَارٍ۔))[7]۔

---

[7]۔ ابو الفرج علی بن ابراهیم حلبی، سیرت حلبیه ، ط/2 (بیروت لبنان: دار الکتب العلمیه، 1427ھ)2:42۔

(بے شک اللہ رب العزت نے سات آسمان تخلیق فرمائے، پھر مخلوقات کو پیدا فرمایا اور مخلوقات سے انسان کا منتخب کیا، پھر تمام انسانوں سے اللہ تعالی نے عرب کا انتخاب فرمایا، پھر تمام عرب پر اللہ تعالی نے مضر کو فوقیت دی، پھر مضر قبیلہ سے قبیلہ قریش کو اختیار فرمایا، پھر قریش میں سے اولادِ ہاشم کو چنا، پس میں تمام چنیدہ گروہوں میں سے سب سے زیادہ چنیدہ اور ممتاز ہوں۔)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ اپنے خاندان کے متعلق آگاہ فرمارہے ہیں۔ پوری مخلوقات میں سے شرف اور عزت کے لحاظ سے جو سب سے اعلیٰ لوگ تھے اللہ تعالی نے اپنے آخری نبی کے لیے اس خاندان، قبیلے اور قوم کو منتخب فرمایا تاکہ رسول محترم ﷺ کی شان ہر لحاظ سے تمام عالمین میں ممتاز نظر آئے۔

عورت کے حقوق

رسول اللہ ﷺ نے جس معاشرے میں اپنی زندگی کی ابتداء کی وہ معاشرہ مختلف قسم کی اخلاقی برائیوں میں ملوث تھا ان برائیوں میں سے ایک بڑی برائی عورت کے حقوق کو سلب کرنا تھا، اس معاشرے میں عورت کو جانوروں کے برابر بھی حقوق نہیں دیے جاتے تھے انہی حالات کو دیکھتے ہوئے رہبر کائنات ﷺ نے عورت کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی اور تاریخ میں پہلی بار عورت کو معاشرے میں ایک مستقل مقام دیا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

((الدنيا متاع وخير متاعها المرأة الصالحة۔))[8]

(دنیا ایک متاع ہے، اس دنیا کی پسندیدہ ترین متاع نیک خصلت عورت ہے۔)

اب جس معاشرے میں بیٹی کے پیدا ہو جانے پر لوگ گریبان پھاڑ دیا کرتے، باپ کے وصال پر ماں بطور وراثت کسی ایک کے حصہ میں آتی اور بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا اس معاشرے میں رہبر عالم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرما کر اپنی سیرت مبارکہ و تعلیمات سے معاشرے کی تربیت فرمائی۔

شادی کے لیے عورت کی اجازت

عرب معاشرے میں بعثت نبوی سے قبل عورت کو کچھ حقوق بھی حاصل نہ تھے حتی کہ اس کے ساتھ تو انسانی رویہ بھی روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نکاح جیسے اہم عقد میں بھی عورت کی رضا، خوشنودی اور رائے کو ذرہ برابر اہمیت حاصل نہیں تھی، معاشرے کے مرد عورت کے متعلق جو فیصلہ کر دیتے عورت مجبور تھی کی اس فیصلہ کو قبول کرے۔ مزید اس پر کوئی بات کرنے یا خدشات کا اظہار کرنے کا اختیار عورت کے پاس موجود نہیں تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے بذریعہ اپنی سیرت طیبہ اس کا بھی خاتمہ کیا اور بتایا کہ عقد نکاح میں جس قدر مرد کی رضا

---

8 - ابو القاسم سليمان بن احمد ، الطبراني ، **المعجم الكبير**، ط/1 (القاهرة: مكتبه ابن تيميه، 2006ء)، 26:13۔

ضروری ہے ایسے ہی عورت کے بغیر بھی یہ اہم معاشرتی عقد مکمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((لا نكاحَ إلا بإذنِ الرجلِ والمرأة۔))[9]

(مرد اور عورت کے اِذن(اجازت) کے بغیر کیا گیا عقد(نکاح)منعقد نہیں ہو سکتا۔)

یوں معلم کائنات ﷺ نے عورت کو حقوق دلوانے میں خشت اول کا کردار ادا کیا۔ اور وہ عورت جسے کوئی بے جان چیز یا جانور سمجھا جاتا تھا اسے معاشرے کا ایک باضابطہ فرد قرار دیا جس کی رضا و عدم رضا ایک مسلم حیثیت کی حامل بن گئی۔ عورتوں کو حقوق دلوانا سیرت النبی ﷺ کا ایک روشن پہلو ہے۔

اولاد پر عورت کا حق

قبل از بعثت نبوی معاشرے میں پائے جانے والے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ لوگ عورت کو فقط اتنی اجازت دیتے کہ اولاد پیدا کر سکے اس سے آگے اس اولاد پر اس عورت کو کوئی حق نہیں ہوا کرتا تھا۔ اور خصوصاً اگر زوجین میں کوئی ناچاقی ہو جاتی تو عورت کو اپنی ہی اولاد سے محروم کر دیا جاتا اور دیکھنے تک نہ دیا جاتا۔ اور مزید یہ کہ اس عورت کی بات سننے کے لیے کوئی عدالت تک موجود نہ ہوتی کیونکہ ہر جگہ مرد کی ناجائز غاصبیت رائج تھی جہاں عورت کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ لیکن نبوی سیرت سے یہ معلوم ہوتا ہے جس عورت نے بچے کی پیدائش سے پرورش تک قدم قدم پر مشکلات برداشت کیں، مصائب دیکھے اپنی روزمرہ کی زندگی تک متاثر کر دی اس عورت کو اس بچے پر زیادہ حق ہے۔ لہذا اس معاملے میں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات نمایاں اور روشن ہیں۔ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں اپنی بیوی کے ساتھ لعان کر لیا یعنی قریب نا جانے کی قسم کھالی، اور اس سے اس کا ایک بچہ بھی تھا، حضور ﷺ نے حسب دلائل مقدمہ سنا، اس روایت کا بقیہ حصہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

((فَفَرَّقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَة۔))[10]

(حضور ﷺ نے ان زوجین میں تفریق کر دی اور اس کے ساتھ ہی بچہ اپنی ماں کے حوالے کر دیا۔)

اب اس معاشرے میں یہ اقدام کرنا یقیناً مشکل کام تھا لیکن نبوی سیرت سے یہی درس ملتا ہے جب بات حق کی آئے تو مظلوم اور حقدار کے ساتھ کھڑے رہو اور اس معاملے میں کسی قسم کی مصلحت کا شکار ہونے کی

---

[9]۔ علاؤ الدین علی بن حسام الدین برھان پوری، **كنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال**، باب فی الولایة والاستیذان، حدیث/44681، ط/5 (موسسة الرسالة 1401ھ)16:315۔

[10] **التمهيد لما فی المؤطا من المعانی ولاسانید**، 198:6

ضرورت نہیں۔ تو اولاد پر ماں کے حقوق کو ثابت کرنا اور تسلیم کروانا بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو ہے۔

بچے کی پیدائش پر ماں کو اجر

معلم کائنات ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے عورت معاشرتی لحاظ سے تشدد کا شکار تھی اور اسے اکثر معاملات میں محرومی اور حق تلفی کا سامنا کرنا پڑتا۔ انہی معاملات میں سے ایک معاملہ بچے کی پیدائش کا تھا۔ اس معاشرے میں مجموعی تاثر یہ تھا کہ بچہ پیدا کرنا اور اس سلسلہ میں مشقتیں برداشت کرنا ہی بس عورت کا کام ہے نومولود کی پیدائش کے بعد اس پر اس ماں کا حق ہے ہی نہیں۔ لیکن نقوشِ سیرت سے ہمیں یہ آگہی ملتی ہے کہ عورت کا بچے کو جنم دینا، بعد ازاں اس کی پرورش کرنا دودھ پلانا وغیرہ اور اس قدر مشقت برداشت کرنا یہ کوئی عام کام نہیں بلکہ دنیاوی طور پر بھی یہ عورت کا معاشرے پر احسان ہے اور اخروی طور پر بھی اس پر اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((قَالَ فِي المَرأَةِ فِي حَملِهَا إِلَى وَضعِهَا إِلَى فِصَالِهَا مِنَ الأجرِ كَالمُستَشهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَإِنْ هَلَكَتْ فِيمَا بَينَ ذٰلِكَ كَانَ لَهَا أَجرُ شَهِيدٍ۔))[11]

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت دوران حمل پیدائش تک اور بعد ازاں دودھ چھڑوانے تک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور اگر اس دوران عورت ہلاک ہو جائے تو اس کے لیے شہید کے برابر اجر ہے۔)

اب اس روایت سے عورت کی رفعت و مشقت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ ایک عورت اپنے بچے کی ولادت کے دورانیہ میں عند اللہ اتنی ہی مقبول ہے جتنا کہ ایک فی سبیل اللہ جہاد کرنے والا۔ اور صرف اتنا ہی نہیں اگر اس سارے مرحلے میں عورت کی موت واقع ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس عورت کو شہید کا درجہ عطا فرمائے گا۔ اس طرح حضرت نبی المحترم ﷺ نے اپنی تعلیمات سے عورت کی عظمت اور اس کے استحقاق کو معاشرے میں آشکار کیا۔

عورت منحوس نہیں ہے

قبل از بعثتِ نبوی عورت کو معاشرے کا عضوِ معطل سمجھا جاتا تھا، لوگ عورت کو نحوست کا استعارہ سمجھتے تھے اور بغیر کسی خارجی وجہ کے صرف اس کا عورت ہونے کی بناء پر اسے منحوس سمجھا جاتا تھا۔ یعنی یہ نہیں کہ عورت کا کوئی عمل ٹھیک نہیں اس وجہ سے اسے مطعون قرار دیا جائے بلکہ فقط عورت ہونا ہی اس کا جرم تھا اور اس جرم کی سزا اسے بہر حال بھگتنا ہوتی تھی۔

---

[11] ۔ الایماء الی زوائد الامالی والاجزاء ، 204:4۔

آپ ﷺ نے اس طریقہ عمل کا تدارک فرمایا اور عورت کو نحوست کا استعارہ ہونے کی بجائے ایک عزت والے مقام سے نوازا۔ سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو نبی ﷺ کی ذاتی زندگی سے متعلقہ جو خواتین تھیں ان کے لیے آپ ﷺ کے جو فرامین ہمیں کتبِ احادیث و سیرت ملتے ہیں وہ تو اپنی جگہ مسلم، رسول اللہ ﷺ نے مطلقا عورت کی عظمت کی وضاحت کے لیے بھی کوشش فرمائی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((البركةُ في ثلاثٍ: في الفرسِ، والمرأةِ، والدارِ۔))[12]

(برکت تین چیزوں میں ہے: گھوڑا، عورت اور گھر۔)

یعنی جس عورت کو معاشرہ نحوست سمجھتا تھا نبی ﷺ نے اسی عورت کو برکت کا مجسمہ قرار دے دیا کہ یہ عورت نحوست نہیں بلکہ برکت ہے۔ اور یہ اس لیے تھا تاکہ اس دور کے لوگ عورت کی عظمت کو سمجھ سکیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ نبوی سیرت کا پیغام یہ ہے کہ عورت منحوس نہیں بلکہ بابرکت چیز ہے۔ اگر اس کے متعلق اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کرنا ہے تو اس کے کردار اور عمل کو دیکھ کہ کیا جائے گا محض عورت ہونے کی بنیاء پر اسے مطعون قرار نہیں دیا جا سکتا۔

غلاموں کے حقوق

رسول اللہ ﷺ کے آثارِ سیرت سے ایک اہم اثر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس معاشرے میں غلاموں کے حقوق کی بات کی کہ جس معاشرے میں لوگ غلام کو انسان ماننے کے بھی روادار نہیں تھے۔ غلاموں کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا، ان کی دادرسی کے لیے نہ قانون سازی تھی اور نہ ہی کوئی ادارہ۔ حتی کہ ان کی ذرا سی غلطی پر انہیں انتہائی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا اور تشدد بسا اوقات اس قدر سخت ہوتا کہ اعضاء تک معطل ہو کہ رہ جاتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس امر کی بھی مخالفت کی اور معاشرے کو بتایا کہ غلام بھی آخر کار انسان ہیں ان کے بھی کچھ نا کچھ حقوق ہونے چاہیں۔ جس معاشرے میں غلام کے لیے معافی کا تصور بھی ممکن نہیں تھا اس معاشرے میں رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کی معافی کے لیے کس قدر کاوش کی اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حسب ذیل روایت سے ہوتا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی:

((إِنَّ خَادِمِي يُسِئُ وَيَظْلِمُ، أَفَأَضْرِبُهُ قَالَ: اعْفُ عَنْهُ، كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً۔))[13]

---

[12] ۔ محمد بن ابوبکر مخزومی ، مصابیح الجامع ، باب لا عدوی ، حدیث/ 2631، ط/1 (شام: دار النوادر، 2009ء)،9:250۔

(میرا خادم غلطیاں کرتا ہے اور اپنی حد سے تجاوز کرتا رہتا ہے کیا میں اسے مار سکتا ہوں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر روز اسے ستر بار معاف کیا کرو۔)

یعنی ستر بار بھی غلطی کرے تو معاف کرو اور اس سے زائد اگر کرے تو سزا دے لو۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ کثیر تعداد میں غلطی عقلا مشکل ہے لہذا اصل مقصد یہ تھا کہ غلام کو معاف کرنے کی عادت اپناؤ تاکہ وہ بھی خود کو اس معاشرے کا حصہ سمجھیں۔

غلامی کا خاتمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت کے ذریعے غلامی کے خاتمے کا کلچر متعارف کروایا تھا۔ ایک ایسا معاشرہ کہ جہاں غلامی کا تصور پوری طرح سرایت کر چکا ہو، جہاں غلاموں کو نہ صرف بیچا جاتا ہو بلکہ تحفے میں دینا، جنگ میں زبردستی غلام بنالینے سے لے کر مختلف قسم کے سلوک جو شرف انسانیت کے بھی مطابق نہیں تھے وہ غلاموں کے ساتھ روا رکھے جاتے ہوں اس معاشرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی آزادی کی فضا ہموار کی۔ اس کے متعلق مختلف قسم کی بشارتیں بیان فرمائیں، اجر و ثواب کی خوشخبری بیان کی اور فوائد کا ذکر کیا تاکہ لوگوں کا ذہن غلام بنانے کی بجائے غلاموں کو آزاد کرنے کی طرف راغب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور سیرت نبوی سے جب اس جذبے کو لوگوں نے اپنانا شروع کیا تو تدریجا عرب معاشرے سے غلامی کے تصور کا خاتمہ ہونے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخروی فوائد و ثمرات کے ساتھ ساتھ غلام آزاد کرنے کے دنیوی فوائد بھی بیان فرمائے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔))[14]

(غلام مر جائے تو اس کی ولایت کا حقدار وہ شخص ہوگا جس نے اسے آزاد کیا ہوگا۔)

یعنی اگر اس غلام کے اصحاب فروض وعصبہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو اس کی وراثت کا مال ولاء کے ذریعے اس کے آزاد کرنے والے کو مل جائے گا۔ اب درحقیقت یہ ایک ترغیب تھی کہ جس کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں غلامی کے خاتمے کا جذبہ پیدا کیا گیا، اور لوگوں میں غلام آزاد کرنے کی تحریک پیدا ہوئی۔

جانوروں پر شفقت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا روشن حصہ یہ بھی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں پر بھی شفقت فرماتے تھے اور جانوروں کے حقوق کا بھی خیال کیا کرتے تھے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمین کے لیے رحمت بن کر

---

[13] ۔ احمد بن ابو بکر البوصیری، **اتحاف الخیرة المهرة**، باب الوصیة بالرقیق، حدیث/3018، ط/1 (ریاض سعودی عرب: دار الوطن للنشر، 1999ء)، 3:421۔

[14] ۔ **مسند امام احمد بن حنبل**، باب مسند عبداللہ بن عمر، حدیث/6452، 6:17۔

مبعوث ہوئے ہیں لہذا آپ ﷺ کی رحمت فقط انسانوں تک محدود نہیں بلکہ جانور بھی نبی کریم ﷺ کی رحمت سے مستفیض ہوتے تھے۔ عرب معاشرے میں رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل جانوروں کے کان ناک کاٹنے، جانوروں کو لڑانے، جانوروں پر ظلم کرنے کی عادات بھی عام پائی جاتی تھیں۔ جانور پالنے اور ان کے مقابلہ جات جیسے لہو و لعب کے شوقین حضرات جانور کے اعضاء کاٹ دیا کرتے۔ اپنی الگ پہچان رکھنے اور اپنے شوق کی تسکین کے لیے جانور کی شکل و صورت ہی تبدیل کر دی جاتی تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کام سے بھی روکا اور سراسر عیاشی اور کھیل کود پر مبنی اس کام کی سختی سے مذمت فرمائی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ کوئی صحت مند تفریح نہیں تھی جس کا جسمانی یا ذہنی کوئی فائدہ ہو بلکہ یہ فقط جانوروں کے ساتھ ظلم اور اپنے ذہنی تعیش کی تسکین کے لیے تھا۔ اس اہم نقشِ رسالت ﷺ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَن مثلَ بِذِي حَيَاةٍ فَعَلَيه لَعنَةُ اللهِ وَالمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجمَعِينَ۔))[15]

(جو بندہ کسی جاندار کا مثلہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔)

اب اس حدیث مبارکہ میں صرف انسان نہیں بلکہ عام ذکر کیا گیا کہ جو کسی بھی جاندار کا مثلہ کرے اس کے لیے یہ عتاب ہے کہ وہ لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ نے جانوروں پر اپنی شفقت کا اظہار فرمایا۔

جانور لڑانے کی ممانعت

نبوی سیرت کے نمایاں نقوش سے ایک اہم یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے دور جاہلیت کی ایک انتہائی قبیح اور رائج رسم کا خاتمہ کیا۔ اور وہ رسم تھی جانوروں کو آپس میں لڑانا۔ نبی پاک ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے جو رسومات رائج تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ لوگ جانوروں کو آپس میں لڑایا کرتے تھے۔ اور اس لڑائی میں جانوروں پر شدید ظلم ہوتا، جانور لہولہان ہو جاتے اور خون میں لت پت جانوروں کو لڑتا دیکھ کر اوباش لوگ لطف اندوز ہوتے تھے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کے لیے بھی رحمت بن کر تشریف لائے تھے لہذا نبی کریم ﷺ نے جانوروں پر ہونے والے اس ظلم کا بھی خاتمہ کیا اور اپنے فرامین اور عمل کے ذریعے لوگوں کو تعلیم دی کہ یہ تفریح ناپسندیدہ ہے جو دنیا اور آخرت میں سبکی کا باعث بن سکتی ہے۔ لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس حوالہ سے آپ ﷺ کی سیرت کا کیا پیغام ہے اس کا علم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے کہ:

---

[15] ۔ الایماء الی زوائد الامالی والاجزاء،204:4۔

((أَنَّه نَهى أن يُحرَّشَ بَينَ البَهَائِمِ۔))[16]

(نبی کریم ﷺ نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع فرمایا ہے۔)

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ جانور لڑانا رسول اللہ ﷺ کے ہاں کوئی مستحسن عمل نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ نے اس نے اس برے کام سے روکا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ لہوولعب پر مبنی یہ تفریح کئی ایک سماجی اور اخلاقی قباحتوں پر مشتمل تھی لہذا اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکال سکتے کہ اسلام فنون لطیفہ کی مخالفت کرتا ہے۔

ظلم

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل عرب کے معاشرے کی ہر سمت ظلم کا دور دورا تھا، ظلم کے ڈیرے تھے۔ کہیں عورت ظلم کا شکار تھی، کہیں غریبوں پر ستم ہو رہا تھا، کوئی غلاموں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا تھا اور کہیں بیٹیاں مظلوم تھیں۔

اور صرف یہ نہیں کہ لوگ ظلم کیا کرتے تھے بلکہ اپنے ظلم پر فخر بھی کیا جاتا تھا اور اپنے ظلم کی کہانیاں سنائی جاتی تھیں۔ شعراء وادباء فخریہ کہانیاں سناتے کہ کیسے فلاں بندے کو قتل کیا، کیسے اس کا مال کا غصب کیا۔ ظلم و ستم میں لت پت معاشرے میں نبی کریم ﷺ نے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور ظلم کے دنیوی واخروی نقصانات سے عوام کو مطلع کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں تشریف ہی مظلوموں کی داد رسی کے لیے لائے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الظلم ظلمات يوم لقيامة۔))[17]

(ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے۔)

اس اندھیرے سے حضور ﷺ باور یہ کرانا چاہتے تھے کہ ظلم کوئی مستحسن اقدام نہیں ہے کہ اس پر فخر کیا جائے۔ درحقیقت اندھیرا طاغوتی کاموں کا استعارہ ہے لہذا فرمایا کہ قیامت کے دن ظلم اندھیروں کی صورت میں ہو گا۔ اور ظلم کرنے والے اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت کے ظلم و ستم پر مشتمل معاشرے میں ظلم کے خاتمے کے لیے اقدام اپنے فرامین اور سیرت کے ذریعے اٹھائے۔

امن پسندی

آپ ﷺ کا ایک نقشِ سیرت امن پسندی بھی ہے، رسول اللہ ﷺ انارکی، بدامنی، قتل وغارت گری اور فتنے کو سخت ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ امن کے داعی تھے، امن کا پرچار کرنے والے تھے، محبت کا پیغام

---

[16] ۔ علی بن جعد بغدادی، **مسند ابن الجعد**،باب: شریک عن الاعمش ، حدیث/2121 ، ط/1 (بیروت لبنان: موسسة نادر، 1410ھ)،313:1

[17] ۔ ابو عبداللہ مصطفی العدوی ، **میراث النبی** ،(مکتبہ شاملہ)،6:1۔

دینے والے تھے، یگانگت کا درس دیتے تھے اور الفتوں کے امین تھے۔

جب کہ اس کے برعکس وہ معاشرہ بدامنی کا شکار تھا، قتل وغارت گری کے عفریت نے اسے گھیر رکھا تھا اور انسانی خون کی وہاں کوئی قدروقیمت نہیں تھی۔ قاتل قتل پر فخر کیا کرتے تھے اور جس نے جتنا انسانی خون بہایا ہوتا وہ خود کو معاشرے میں اتنا ہی معزز سمجھتا تھا۔ دور جاہلیت کے شعراء کا اگر کلام پڑھا جائے تو محسوس یہ ہوتا ہے کہ قتل کرنا کوئی انتہائی قابلِ رشک کام تھا جس پر اتنا فخر محسوس کیا جاتا تھا کہ میں نے اتنے بندے قتل کر رکھے ہیں۔ اس دور میں اک ذرا سی بات پر دشمنی کا ایسا سلسلہ شروع ہوتا جس میں نسلوں کی نسلیں تباہ ہو جایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی جان کے ضیاع کے اس سلسلہ کو روکنے کے لیے کاوش فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لیسَ لِقاتلِ المؤمنِ توبةٌ۔))[18]

(یعنی ایک مومن کو قتل کرنے والے کی توبہ بھی قبول نہیں۔)

اب تعلیمات نبوی میں سے ایک بات انتہائی اہم تھی کہ آپ کوئی بھی گناہ کر لو لیکن اگر صدقِ دل سے توبہ کر کے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جاؤ گے تو تمہاری غلطی معاف کر دی جائے گی۔ لیکن قتل اس قدر شدید مکروہ اور ناپسندیدہ عمل ہے کہ اگر کسی مومن کا ناحق قتل کیا تو اللہ تعالیٰ توبہ بھی قبول نہیں فرمائے گا یا ممکن ہے ایسے بندے کو توبہ کی توفیق ہی نصیب نہ ہو۔ اس روایت سے قتل کی مذمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور سیرت النبی ﷺ کے روشن باب امن پسندی کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ امن کو کس قدر ترجیح دیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے دین میں تشدد اور بدامنی، دہشتگردی کے بجائے امن کی بات کی جاتی ہے۔

شراب نوشی

قبل از بعثت عرب معاشرے میں جو برائیاں سب سے زیادہ پائی جاتی تھیں ان میں سے ایک برائی شراب نوشی تھی۔ شراب اس معاشرے میں اس قدر سرایت کر چکی تھی کہ شراب پینے کو معیوب تک نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ شراب نوشی قابل فخر کام سمجھتے تھے اور جو جتنی زیادہ شراب پیتا اپنے آپ کو اتنا بڑا اور معزز سمجھا کرتا تھا۔ اس دور کے ادباء اور شعراء کا اگر کلام ملاحظہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں کثرت شراب نوشی ہی عزت کا معیار تھی اور شعراء فخر سے کہتے کہ کیسے فلاں مقام پر میں نے اس مقدار میں شراب پی تھی۔ اسی طرح بہت سے ایسے صحابہ بھی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں شراب نوشی کرتے رہے۔

---

[18]۔ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، **لسان المیزان**، ط/3 (بیروت لبنان: موسسة الاعلمیة للمطبوعات، 1986ء)6:318۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شراب نوشی بہت سی برائیوں اور فسادات کی جڑ ہے جس کی وجہ سے قتل سمیت کئی ایک برائیاں جنم لیتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنی سیرت واحادیث کے ذریعے شراب نوشی کی مذمت بیان فرمائی تاکہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَن شَربَ الخمر فِي الدُّنيَاثُمَّ لَم يَتُب مِنهَا حُرمهَا فِي الآخِرَةِ۔))[19]

(جو بندہ شراب پیتا رہے پھر بغیر توبہ کے مر جائے تو وہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہی رہے گا۔)

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے حرمتِ شراب کو بیان فرما کر قوم کو اس سے بچانے اور اپنی سیرت کے ذریعے قوم کو اس غلط کام سے دور رہنے کا درس دیا۔

بدکاری کی روک تھام

دورِ جاہلیت کے شعراء وادباء کے کلام سے ایک بات یہ بھی علم میں آتی ہے کہ اس معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور بدکرداری بہت عام تھی۔لوگ سرعام محافل میں اپنے معاشقوں اور جسمانی تعلقات کا بیان کرتے اور اس معاملہ میں ذرہ برابر بھی حیا موجود نہیں تھی کہ کوئی پردہ رکھا جائے۔ بلکہ بعض واقعات تو ایسے بھی ملتے ہیں کہ اپنے معزز رشتے بھائی باپ وغیرہ کے سامنے بھی اپنے اس طرح کے واقعات بیان کردیے جاتے تھے۔اور یہی نہیں بلکہ جو انسان جتنی زیادہ خواتین کے ساتھ غلط مراسم رکھتا اسے اس قدر ہی باعزت سمجھا جاتا تھا اور اس قبیح فعل پر تفاخر کیا جاتا تھا۔یہ بے حیائی اور معاشرتی بے راہ روی کی آخری انتہا تھی جس کو وہ لوگ پار کر رہے تھے اور کوئی اس کو روکنے والا نہ تھا۔

ایسے حالات میں رسول اکرم ﷺ نے ان حیاء سوز اعمال وافعال کے خلاف آواز اٹھائی اور اس معاشرتی برائی کے خاتمے کی کوشش کا آغاز فرمایا اور لوگوں کو ان امور سے بچنے کی تلقین فرمائی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الفَرْجُ أمانةٌ۔))[20]

(شرمگاہ امانت ہے۔)

---

19 ۔ امام مالک بن انس بن مالک مدنی، **مؤطا امام مالک** ، ط/2 (بیروت لبنان: مکتبہ العلمیہ، 1412ھ)1:249 ۔

20 ۔ جار اللہ زمحشری ، **ربیع الابرار و نصوص الاخیار** ، باب/8 ، حدیث نمبر/19 ، ط/1 (بیروت لبنان: موسسة الاعلمی،1412ھ)،5:302۔

اب یہ امانت آپ کے جیون ساتھی کی بھی ہو سکتی ہے اور حقوق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی بھی۔ ہر دو صورتوں میں اس امانت میں خیانت کرنا انتہائی ناپسندیدہ کام ہے جس پر سخت وعید بھی موجود ہے لہذا اس امانت میں خیانت سے بچنا چاہیے اور وہ بچاؤ اسی صورت ممکن ہے کہ انسان اپنے کردار کو اجلا اور صاف رکھے اور بدکاری کی لعنت سے محفوظ رہے۔

ماتم کی مذمت

جاہلیت کے زمانہ میں عمومی طور پر معروف خرابیوں میں سے ایک قابلِ ذکر خرابی فوت شدگان وغیرہ پر ماتم کرنا، گریبان پھاڑنا وغیرہ تھا جس کے خاتمے کے لیے نبی رحمت ﷺ نے اپنی سیرت اور فرامین پیش کیے۔ قبل از بعثت عرب معاشرے میں یہ رسم عام تھی کہ کوئی انسان مر جاتا تو اس کے ورثاء بالخصوص خواتین آہ و بکا کرتیں، اور نہ صرف روتیں بلکہ شدید واویلا، قدرت اور قسمت سے شکایات بھی شامل ہوتیں تھیں، خواتین کپڑے تک پھاڑ لیا کرتیں اپنے بال نوچ لیتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی اس غیر عقلی رسم اور غیر منطقی رواج کے خاتمے کی بھی کوشش کی۔

اور عوام کے جذبات اور ذہنی ترجیحات کو سمجھتے ہوئے تدریجا سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ ایک جہالت پر مبنی عمل ہے جس کا نہ تو کوئی مرنے والے کو فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی رونے والے کو۔ بلکہ یہ عمل بے صبری کی قبیل سے ہے۔ اور اس طرح کرنے سے انسان صبر جیسے عظیم کام کے اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ نبی پاک ﷺ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

((الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ۔))[21]

(میت کو ورثاء کی بُکا (رونے) کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔)

یعنی کسی کے مرنے کے بعد اگر اس پر کوئی آہ و بکا کرے روئے، چیخے تو اس چیخنے چلانے کی وجہ سے اس مرنے والے کی روح کو بھی تکلیف پہنچتی ہے اور اسے عذاب سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اب درحقیقت یہ لوگوں کی نفسیات کو سمجھ کر انہیں سمجھانے کا ایک ذریعہ تھا کہ تم اس طرح نہ کیا کرو کیونکہ تمہارا ایسا کرنے سے مرنے والے کو سکون نہیں ملتا بلکہ عذاب ملتا ہے۔

نذر اور منت کا متبادل اختیار کرنا

دور جاہلیت میں کچھ لوگ کسی غلط کام پر حلف اٹھا کر نذر و نیاز مان لیا کرتے کہ میں یہ کام ضرور کروں گا۔ اور پھر اس غیر شرعی اور ناجائز اور حرام کام پر جواز کے طور پر اپنی قسم کو پیش کیا کرتے تھے کہ ہم نے تو قسم اٹھا رکھی ہے اب اگر یہ کام نہ کیا تو ہم حانث ہو جائیں گے، لہذا ایسا کرنا ہماری مجبوری ہے۔ ایسا ہی کوئی واقعہ حضرت عمر

---

21 ۔ التمهيد لما في المؤطا من المعاني ولاسانيد، 274:17۔

بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی مذکور ہے۔ لیکن حضرت ختمی المرتبت ﷺ نے اس امر کی بھی مخالفت فرمائی اور اس کی تردید فرمائی اور اپنی سیرت کے ذریعے اس کا بھی خاتمہ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذا حَلَفتَ عَلى يَمِينٍ فَرَأَيتَ غَيرَهَا خَيراً مِنهَا فَكَفِّرْ عَن يَمِينِكَ وائتِ الَّذِي هُوَ خَيرٌ۔))[22]

(جب تم میں سے کوئی کسی کام پر قسم کھالے یعنی حلف دے کہ یہ کام سرانجام دوں گا لیکن پھر اسے پتا چلے کہ اس کام کے خلاف میں زیادہ بہتری ہے تو اپنی قسم کا کفارہ دے لے لیکن عمل اسی پر کرے جو بہتر ہو۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کسی غلط کام پر یہ جواز دینا درست نہیں کہ میں نے قسم دے رکھی ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں اگر کسی غلط کام پر قسم موجود بھی ہے تو بلاتردد قسم توڑ کر اس کے خلاف پر عمل کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔ کیونکہ قسم کا کفارہ دینا آسان ہے لیکن اس گناہ کے عذاب کو برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے اپنی سیرت کے ذریعے زمانہ جاہلیت کی اس جاہلانہ رسم کا بھی خاتمہ فرمایا۔

وسعت وبرداشت

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ایک پہلو یہ بھی تھا آپ ﷺ خواہ مخواہ کسی چیز کو ذاتی عناد کی وجہ سے ممنوع قرار نہیں دیا کرتے تھے۔ بلکہ صرف انہی امور کو حرام، ناجائز یا ممنوع قرار دیتے تھے جن میں شرعی اور معاشرتی قباحت ہوا کرتی تھی۔ حالانکہ اس دور میں رواج یہ تھا کہ دیگر مذاہب کے راہنما اپنی خواہش کے مطابق ہر اس چیز سے منع کر دیا کرتے تھے جنہیں وہ ذاتی طور پر ناپسند فرماتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے شعور و عقل کے استعمال کا درس دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندر اتنا ظرف اور وسعت پیدا کی کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے چیزوں کو برداشت کر سکیں۔ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر اپنے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ سے عرض کیا:

((يَا رَسُولَ الله إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوْفِ نَذْرَكَ»، فَاعْتَكَفَ لَيْلَةً۔))[23]

(یارسول اللہ ﷺ زمانہ جاہلیت میں میرے اوپر ایک اعتکاف تھا جو میں نے ادا نہیں کیا تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے حکم ارشاد فرمایا کہ اس اعتکاف کو پورا کر دو۔)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں کسی کام پر نذر مانی کہ یہ کام ہو گیا تو ایک دن کا اعتکاف کروں گا اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ جب اس پرانی نذر کے متعلق سوال کیا تو ارشاد ہوا کہ چونکہ اس کام میں کوئی

---

[22] ۔ امام احمد بن شعیب نسائی، **سنن کبری**، باب الكفارة قبل الحنث، حدیث/4726، ط/1 (بیروت لبنان: موسسة الرسالة، 1421ھ)،3:127۔

[23] ۔ جلال الدین سیوطی، **الحاوی للفتاوی**، ط/1 (بیروت لبنان: دار الفکر، 1424ھ) 1:32۔

شرعی قباحت نہیں لہذا تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اپنی نذر اور منت کو پورا کر لو۔اس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں محض تعصب نہیں تھابلکہ آپ ﷺ انتہائی وسیع الظرف تھے۔

افضلیت کامعیار

بعثت سے قبل عرب معاشرہ مختلف طبقاتی تقسیمات میں منقسم تھااور معاشرے میں عزت کاحقدار فقط وہ قرار پاتا جو طاقت ور ہوتا یا جو روپے پیسے والا ہوتا الغرض جتنا مال و دولت زیادہ ہوتا اس قدر زیادہ عزت ملتی جبکہ غرباء کو معاشرے کاناسور سمجھا جاتا یاپھر اعلیٰ خاندان والوں کو عزت دی جاتی اور کم تر خاندانوں کو ذلیل سمجھا جاتا رسول اللہ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی اس سوچ فکر کی تردید کی اور تمام تر چیزوں کارد فرماتے ہوئے فضیلت کامعیار تقویٰ کو قرار دے دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث مبارکہ مروی ہے کہ:

((قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ مَن أَكرَمَ النَّاسِ قَالَ أتقَاهُم۔))[24]

(پوچھا گیا: یارسول اللہ! لوگوں میں سے سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو ان میں سے سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔)

یعنی مال دولت ، برادری، رنگ ، نسل اور زبان کی وجہ سے کسی کو کوئی برتری نہیں دی جاسکتی سوائے اخلاق و کردار کے۔ زمانہ جاہلیت کی مکروہ رسومات میں سے یہ ایک اہم رسم کا سدِ باب تھا جس کا آغاز رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

تجارتی اصلاحات

قبل از بعثت نبوی معاشرے میں جو برائیاں موجود تھیں ان کی مختلف نوعیت تھی ان میں سے ایک تجارتی خرابیاں تھیں، کاروبار کے معاملہ میں اس معاشرے میں کئی ایک مسائل تھے، منافع خوری، ذخیرہ اندوزی سمیت دھوکہ دہی اور غرباءاور چھوٹے تاجروں کااستحصال بھی اس معاشرے میں عام تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ جب بھی کوئی باہر سے مال یا کوئی جنس یاسامان تجارت آتاتو طاقتور لوگ شہر سے باہر جاکر سارامال خرید لیتے اور بعد ازاں اس مال کو اپنی من مانی قیمت اور شرائط پر بیچا کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے اس معاملہ میں بھی اپنی سیرت اور تعلیمات کے ذریعے معاشرے کی تربیت فرمائی چنانچہ آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((لَا تَلَقُّوا السلَعَ حَتَّى يُدخَلَ بِهَا السُّوقُ۔))[25]

---

[24] ۔ سنن کبری ، باب سورۃ یوسف، حدیث/11185،131:10۔

(جب تک سامانِ تجارت بازار میں نہ پہنچ جائے تب تک آگے جا کے خرید و فروخت نہ کرو۔)

اس میں اصل حکم یہ تھا کہ سامانِ تجارت باضابطہ بازار میں آئے تمام تاجر اور مشتری حضرات قیمت لگائیں اور باقاعدہ طور پر اس کی تجارت ہو تا کہ کوئی ایک ہی سارا سامان خرید لے اور بعد ازاں من مرضی کا منافع لے کر دوسروں کی حق تلفی کرتا رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے باقی شعبہ جات کی طرح تجارتی معاملات میں اپنی سیرت و فرامین کے ذریعے اصلاح فرمائی۔

چرواہوں کی تربیت

سیرتِ رسول ﷺ کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ ﷺ نے معاشرے میں موجود چھوٹی سے چھوٹی برائی پر بھی توجہ دلائی اور وہ امور جن کو کوئی قابلِ التفات بھی نہ سمجھتا اس پر بھی آپ ﷺ نے لوگوں کو متوجہ کیا اور حساسیت آشکار کی بسا اوقات ایسی معمولی باتیں ہی معاشروں کی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ انہیں معمولی باتوں میں سے ایک بات مختلف جانوروں کا دودھ دھو لینا تھا اور وہ بھی بغیر مالک کی اجازت کے۔ اب یہ ایک ایسا کام تھا جو اس معاشرے میں بالکل عام سمجھا جاتا حتی کہ کوئی اسے معیوب تک نہیں سمجھتا تھا، بس جہاں کسی غریب یا کمزور کی بکریاں یا اونٹ نظر آئے وہیں اس کا دودھ نکال کے پی لیا اور پوچھنا تک گوارا نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کام کی بھی مذمت کی اور اپنی سیرت کے ذریعے اس کے سدباب کی کوشش کی اور لوگوں کو بتایا کہ بے شک کوئی معمولی قدر و قیمت کی ہی چیز کیوں نا ہو جب تک اس کے مالک کی اجازت حاصل نہ کی جائے تب تک اسے استعمال نہ کیا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ:

((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُحْلَبَ الْمَوَاشِي بِغَيْرِ إِذْنِ أَرْبَابِهَا۔))[26]

(رسول ﷺ نے منع فرمایا کہ تم جانوروں کا دودھ نکالو، بغیر ان کے مالک کی اجازت کے۔)

یعنی جب تک مالک سے باقاعدہ اجازت حاصل نہ کر لی جائے تب تک جانوروں سے دودھ نہیں نکال سکتے۔ ایسا نہیں ہے کہ جنگل یا چراگاہ میں کوئی بھی جانور نظر آیا اور اس کا دودھ نکال لیا۔ کیونکہ ایسی معمولی باتوں سے بعض اوقات سنگین معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں جن کا نتیجہ لڑائی جھگڑے اور قتل تک کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

---

[25] ۔ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق نیشاپوری، مستخرج ابو عوانہ،باب النھی عن تلقی البیوع، حدیث/4901 ، ط/1 (بیروت لبنان: دار المعرفة، 1419ھ)263:3۔

[26] ۔ التمهيد لما فى المؤطا من المعانى ولاسانيد ، 211:14۔

فقر

نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کرنے سے قبل عرب معاشرے میں صرف امراء کو ہی مقام و مرتبہ اور عزت حاصل تھی۔ غرباء کو کوئی پاس بٹھانا بھی برداشت نہ کرتا، مادیت پسندی اپنے عروج پر تھی۔ لوگ صرف امیروں کے ساتھ اپنے تعلقات مضبوط رکھتے تھے اور غرباء کا معاشرتی استحصال ہوا کرتا تھا۔ غریبوں کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوتا اور لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد مال جمع کرنا بنا رکھا تھا۔ ایسے میں رسول اللہ ﷺ نے اس معاشرے میں فقر کی تبلیغ شروع کی اور لوگوں کو تعلیم دی کہ مال جمع کرنا اصل مقصدِ حیات نہیں ہے بلکہ جو لطف فقر و استغناء میں ہے وہ مال جمع کرنے میں نہیں ہے اور فقر کے ذریعے انسان کئی ذہنی اذیتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جن فرامین میں رسول اللہ ﷺ نے فقر کی تلقین کی ان میں سے ایک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی درج ذیل حدیث مبارکہ بھی ہے فرماتے ہیں کہ:

((اَلفَقرُ أَزينُ بِالمؤْمِنِ مِنَ العِذَارِ الحسنِ عَلٰى خَدِّ الفَرسِ۔))[27]

(فقر مومن کے لیے اس قدر خوبصورتی کا باعث ہے جس طرح کنواری لڑکی کے گال پر تل۔)

یعنی جس طرح وہ اس عورت کے حسن میں اضافہ کرتا ہے اسی طرح فقر بھی انسان کے اخلاقی حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ بنیادی طور پر آپ ﷺ سمجھانا یہ چاہتے تھے کہ فقر کوئی بری چیز نہیں جس سے نفرت کی جائے بلکہ یہ تو ایک مستحسن چیز ہے اور ایسے بہت سے احسن امور ہیں جن کی انجام دہی کی توفیق انسان کو فقط فقر میں مل سکتی ہے۔

خلاصۂ کلام

اس مقالے میں نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے وہ نقوش بیان کیے گئے ہیں جن کا تعلق نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل کی زندگی کے ساتھ ہے۔ بعثت نبوی سے قبل انسانیت عزت و شرف سے دور بگاڑ و فساد کی آخری حد کو پہنچ چکی تھی ہر طرح کے اعمال باطلہ و اخلاق رذیلہ کو وہ اپنا شیوہ بنائے ہوئے تھے، انسانیت ذلت و پستی کا شکار تھی۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ کی بعثت نے نہ صرف ظلم و فسادات کا خاتمہ فرمایا بلکہ ان کے غلط خیالات و عقائد اور ان کے معبودان باطلہ کی تردید فرماتے ہوئے معبود برحق کی طرف دعوت دی اور انسانیت کو ظلم و جبر سے ابدی نجات فراہم کی۔

---

[27] ۔ امام محمد بن محمد غزالی ، احیاء العلوم ، ط/1 (بیروت لبنان: دار المعرفة)، 195:4 ۔

نتائج

1. اس مقالہ کی تمام مرویات حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں جن میں بعثت نبوی سے قبل سیرت طیبہ سے اخذ کردہ نقوش میں لوگوں کو بت پرستی سے منع فرما کر ان کے عقائد کی اصلاح کے بعد فکر آخرت کی دعوت دی گئی ہے۔
2. حرم پاک کی تعظیم اور حرمت و فضیلت کو اجاگر کیا گیا اور قبیلۂ قریش اور خاندان بنی ہاشم کی عزت و شرف کو بیان فرمایا۔
3. قبل از بعثت، نقوشِ سیرت سے تفکر و تدبر اور عقل و فہم کے ذریعے صحیح و غلط کی پہچان کا درس ملتا ہے۔
4. ان مرویات سے عورتوں کے حقوق کی پاسداری اور انہیں عزت و شرف اور مقام و مرتبہ کا تصوّر سامنے آتا ہے۔
5. ان نقوشِ سیرت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غلاموں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے غلامی کا خاتمہ کیا گیا۔
6. جانوروں پر رحم کرتے ہوئے انہیں تنگ کرنے اور اذیت دینے سے منع فرمایا گیا۔
7. تمام اخلاق رذیلہ جیسے کی شراب نوشی، جوا، فحش گوئی اور بدکاری کی روک تھام کے لیے ان افعال و اعمال کے خلاف آواز اٹھانا، نقوشِ سیرت قبل از بعثت سے عیاں ہے۔
8. فضیلت کا معیار مال و زر کے بجائے تقویٰ کو قرار دیا۔
9. تجارتی اصلاحات فرماتے ہوئے ذخیرہ اندوزی، منافع خوری اور دھوکہ دہی سے منع فرمایا گیا۔
10. آپ ﷺ نے از خود فقر کو اختیار فرمایا اور دوسروں کو بھی فقر کی تبلیغ فرمائی کہ صرف مال جمع کرنا ہی مقصد حیات نہیں ہونا چاہیے۔

مصادر و مراجع

1. القرآن کریم۔
2. ابو الفرج علی بن ابراھیم حلبی۔سیرت حلبیه ۔ بیروت لبنان:دار الکتب العلمیه، 1427ھ۔
3. ابو القاسم سلیمان بن احمد ۔ الطبراني ، المعجم الکبیر۔القاھرة: مکتبه ابن تیمیه،2006ء ۔
4. ابوقاسم سلیمان بن احمد طبرانی۔مسند شامیین۔ بیروت لبنان: موسسة الرسالة ، 1405۔
5. احمد بن علی ابو بکر جصاص۔ احکام القرآن۔بیروت لبنان: دار احیاء التراث العربی ،1405ھ۔
6. امام مالک بن انس بن مالک مدنی ۔مؤطا امام مالک ۔بیروت لبنان: مکتبه العلمیه، 1412ھ۔
7. برها ن پوری، علاؤ الدین علی بن حسام ۔ کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال۔بیروت: موسسة الرسالة،1401ھ۔
8. بغدادی، علی بن جعد ۔ مسند ابن الجعد۔بیروت لبنان:موسسة نادر، 1410ھ۔
9. بغدادی، محمد بن عبدالرحمن ۔المخلصیات لابی طاھر۔ قطر: وزارت اوقاف ، 2008ء۔
10. البوصیری ، احمد بن ابو بکر ۔ اتحاف الخیرة المھرة۔ ریاض سعودی عرب: دار الوطن للنشر،1999ء۔
11. ترمذی ، ابو عیسی محمد ۔سنن ترمذی ۔کتاب القدر،ببیروت لبنان: دارالاحیاء التراث، س ن۔
12. زمخشری، جار الله۔ ربیع الابرار و نصوص الاخیار ۔بیروت لبنان: موسسة الاعلمی،1412ھ۔
13. سیوطی ، جلال الدین ۔الحاوی للفتاوی ۔بیروت لبنان، دار الفکر ، 1424ھ۔
14. طبری ،ابن جریر ۔جامع البیان ۔بیروت :دارالمعرفه ،1409ھ ۔
15. عسقلانی ، احمد بن علی بن حجر ۔لسان المیزان۔بیروت لبنان:موسسة الاعلمیة للمطبوعات،1986ء۔
16. محمد بن ابوبکر مخزومی ۔مصابیح الجامع ۔شام: دار النوادر، 2009ء۔
17. نسائی ، امام احمد بن شعیب ۔ سنن کبری ۔بیروت لبنان: موسسة الرسالة، 1421ھ۔
18. نیشاپوری ، ابو عوانه یعقوب بن اسحاق ۔ مستخرج ابو عوانه۔بیروت لبنان:دار المعرفة، 1419ھ۔